© rasailojaraid.com

میں نے کس سے کیا سیکھا؟

ڈاکٹر زاہد منیر عامر

اگر زندگی سے سبق سیکھنے کے لیے عمر کا کوئی مرحلہ متعین نہیں ہے (اور میرے خیال میں نہیں ہے) تو پھر ہر گزرتا لمحہ ایک سبق ہے اور یوں ہمارا استاد بھی...... ہاں اگر اس گزرتے لمحے کی صورت پذیری کے عمل کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے ساتھ کچھ چہرے، کچھ منظر، کچھ مقامات بھی وابستہ ہوتے ہیں اور یوں ہمارے اکتساب کے دائرے میں ان تمام کے عکس بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ روسو نے اپنی مشہور کتاب ''کونتر اسوسیال'' میں لکھا تھا کہ ''ہم میں سے ہر ایک مشترکہ طور پر اپنی ذات اور اپنی تمام قوت کو ارادۂ اجتماعی کے حوالے کرتا ہے اور اس کے عوض ہم میں سے ہر فرد کل کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔'' اس حوالے سے ہمارے اکتساب کے دائرے میں ہمارا معاشرتی کل کلیدی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جس سے مفر دشوار ہے۔ ہمارے انفرادی اکتساب کے دائرے میں شامل باتیں، چہرے، مناظر اور تعلقات بھی اسی معاشرتی کل کے مختلف اجزا ہیں اور وراثت کے بعد یہی ہمارے رویوں اور سرگرمیوں کی تشکیل کی ہیں۔

میری اب تک کی سرگرمیوں کی بنیاد ایک جذبہ رہا ہے اور وہ جذبہ وہی ہے جو میری دانست میں اس کائنات کی رگ رگ میں مستور ہے، یعنی: محبت۔ محبت کیا ہوتی ہے؟ مجھے اس کا علم مولانا تاج محمود سے مل کر ہوا جن کے پاس میں اپنی اولین تصنیف کا دیباچہ لکھوانے کے لیے جا پہنچا تھا، میں نے اس وقت میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا اور اس کے بعد کے دنوں میں ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ اس کتاب کی اور کوئی اہمیت ہو یا نہ ہو میری زندگی میں اس کی یہی اہمیت بہت ہے کہ اس کے توسط سے مجھے مولانا تاج محمود مرحوم سے ملاقات کا موقع ملا، جن سے مل کر کتاب اور اس کا دیباچہ تو ثانوی چیز بن گئے بنیادی شے مولانا کی شفقت اور بے لوث محبت قرار پائی...... انسان کو محبتیں تو والدین، بہن بھائیوں اور بعض اوقات عزیز اقارب سے بھی ملتی ہیں لیکن ان کا ادراک ذرا دیر سے ہوتا ہے۔ خود مولانا مرحوم کی محبت کی جہات اور صفات بھی مجھ پر رفتہ رفتہ منکشف ہوتی رہیں۔ انھوں نے مجھے بیٹا کہا اور بیٹے سے بڑھ کر سمجھا۔ میں نے ان سے سیکھا کہ دوسروں کی قدر کیسے کی جاتی ہے۔ دوسروں کو خود پر ترجیح کیسے دی جاتی ہے۔ دوسروں کی خوشی اور پسند کا خیال کیسے رکھا جاتا ہے۔

وہ کوئی ناشر نہیں تھے لیکن انھوں نے میری مذکورہ کتاب کو بہ زور جذبہ خود شائع کیا۔ اشاعت کے ہر مرحلے میں میری پسند ناپسند کو ملحوظ رکھا۔ میں نے جیسا کہا ویسا ہی ہوا...... اس سب کچھ کے باوجود پونے دو برس میں (مولانا ۲۰ جنوری ۱۹۸۴ء کو انتقال فرما گئے) کبھی اپنی کسی مہربانی کو جتا کر اس کی قیمت کروڑوں سے کوڑیوں میں نہیں بدلی...... آخری ملاقات کی گفتگو میں کہا: ''زاہد! تمہاری جیسی قدر چاہیے تھی میں تمہاری ویسی قدر نہیں کر سکا، مجھے معاف کر دینا''...... یہ بات کوئی عام انسان نہیں کہہ سکتا وہی زبان یہ الفاظ ادا کر سکتی ہے جس کے پیچھے ایک زندہ بیدار اور فراخ دل ہو، مولانا نے میری جتنی قدر کی کوئی بزرگ کسی کو چک کی نہیں کر سکتا جب کہ میں تو کسی لائق بھی نہیں تھا۔

مولانا کے اس طرز عمل سے مجھ پر اخلاص اور بے غرضی کے معنی منکشف ہوئے۔ ان کے بعد مجھے کسی چہرے میں ان کا عکس دکھائی نہیں دیا (اس معیار بندی سے میرے لیے زندگی میں کچھ دشواریاں بھی پیدا ہوئیں) لیکن مولانا کی یہ عنایت کم نہیں کہ انھوں نے مجھے محبت کا ایک معیار عطا کر دیا ہے۔ میں مولانا کو ان کی محبت کا کوئی صلہ نہ دے سکا اور ان کی محبت صلے کے لیے کب تھی......؟ ان کا صلہ محبت کا وہ چراغ ہے جو خارج سے حملہ آور ہوتے ہوتے غرض مندی اور نفسا نفسی کے طوفانوں کے باوجود میرے دل کے نہاں خانے میں آج بھی روشن ہے۔ ☆☆☆

© rasailojaraid.com